ڈاکٹر رؤف پاریکھ

امیر مینائی کی لغت نویسی اور اصول لغت نویسی

امیر احمد امیر مینائی (۱۸۲۹ء۔۱۹۰۰ء) [۱] کو بجا طور پر جامع کمالات کہا گیا ہے۔ امیر مینائی باکمال شاعر تو تھے ہی لیکن ان کی شخصیت میں ایسے کمالات جمع ہو گئے تھے کہ بقول ماہر القادری اگر وہ شاعر نہ ہوتے تو بھی بہت باکمال ہوتے [۲]۔ وہ بیک وقت عالم، فقیہ، صوفی، زبان داں، لغت نویس اور اردو و فارسی کے شاعر و انشا پرداز تھے۔ فقہ، طب، فلسفہ، منطق، قانون، موسیقی اور زبان و ادب پر گہری نظر تھی۔ حتیٰ کہ علم جفر میں بھی مہارت رکھتے تھے اور اس موضوع پر دو کتابیں بھی لکھیں [۳]۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ پابندِ شرع، نہایت پاکیزہ سیرت اور باکردار شخص تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقیدت عشق کی حد کو پہنچی ہوئی تھی جس کا اظہار نعت گوئی کی صورت میں ہوا۔ نعتیہ شاعری میں امیر مینائی کے بلند مقام و مرتبے پر اہل علم بجا طور پر رطب اللسان ہیں۔

امیر مینائی کی غیر مطبوعہ لغات:

فارسی اور اردو نظم و نثر میں مختلف اصناف کی کم و بیش پچاس (۵۰) کتابیں امیر کے قلم سے نکلیں۔ لیکن امیر کو لغات اور لفظیات سے زیادہ دل چسپی تھی اور انھیں ۱۸۵۷ء سے قبل ہی یہ خیال تھا کہ اردو کی ایک جامع لغت ترتیب دی جائے تاہم ۱۸۵۷ء کے انقلاب اور بعد کے نامساعد حالات نے انھیں اس کی خاطر خواہ تکمیل کی اجازت نہ دی [۴]۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے بھی انھوں نے ایک لغت ترتیب دے دی تھی لیکن وہ ضائع ہو گئی [۵]۔ ان کے کچھ مسودات ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں تلف ہو گئے اور کچھ ۱۸۹۹ء میں مکان میں آگ لگ جانے کے سبب ضائع ہوئے [۶]۔ تاہم لفظیات، لغات اور فرہنگ نویسی کے میدان میں انھوں نے اردو اور فارسی کی کئی قابلِ قدر تصانیف چھوڑی ہیں۔ راقم الحروف کو نبیرۂ امیر مینائی جناب اسرائیل احمد مینائی کے تلطف کے سبب امیر کے کچھ قلمی مسودات دیکھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ چنانچہ اس مقالے میں ان مشاہدات نیز ان قلمی نسخوں پر تحریر کردہ بعض یادداشتوں اور بعض دیگر اہل علم کی آراء کی روشنی میں امیر کی مرتب

کردہ غیر مطبوعہ فرہنگوں اور لغات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ ضمنی طور پر امیر مینائی کے مسودات کے ذخیرے میں شامل بعض دیگر قلمی نسخوں کا بھی ذکر کیا جا رہا ہے جو لغت سے متعلق ہیں۔ نیز امیر کی لغت نویسی کا جائزہ بطور خاص ''امیر اللغات'' کو سامنے رکھ کر لغت نویسی کے اصولوں کی روشنی میں لیا جا رہا ہے۔

ا۔ بہارِ ہند

یہ غیر مطبوعہ لغت ہے۔ اس کا ذکر ابو محمد سحر نے اپنے مقالے میں کیا ہے لیکن اس کی کچھ زیادہ تفصیل نہیں دی اور لکھا ہے کہ امیر کی لغات میں سے صرف ''سرمۂ بصیرت'' کا قلمی نسخہ موجود ہے۷ (ان کا یہ خیال درست نہیں ہے)۔ البتہ ''مکاتیب امیر مینائی'' میں اس لغت کا جہاں ذکر آیا ہے اس کے الفاظ سحر صاحب نے نقل کیے ہیں جو یہ ہیں: ''میرے پاس بھی الف سے ی تک مسلسل معنی و مثل کے ساتھ لغت موجود ہے جس کا نام میں نے بہار ہند رکھا ہے۔ مگر وہ فارسی عبارت میں ''گلشن فیض''۸ کی قطع کا ہے۔ اب جہاں تک ممکن ہو اس کو بڑھانا مقصود ہے۔ امیر اللغات اس سے کئی حصے زیادہ ہوگا۔''۹

راقم الحروف کی نظر سے ''بہار ہند'' کا قلمی نسخہ گزرا ہے۔ یہ بڑی تقطیع کا مسودہ ہے جس میں اردو الفاظ و محاورات کی تشریح فارسی میں کی گئی ہے۔ الفاظ کے اندراجات سرخ روشنائی میں جلی قلم سے ہیں اور تشریح سیاہ روشنائی سے کی گئی ہے۔ پہلا اندراج لفظ ''آبخور'' کا ہے۔ لیکن درمیان میں کہیں کہیں ترتیبِ حروف تہجی کی پابندی نہیں بھی کی گئی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ بعد میں ملنے والے الفاظ و معنی یادداشت کے خیال سے بغیر ترتیب کا لحاظ کیے درج کر لیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آخری اندراج لفظ ''ایں کیا معقول'' کا ہے۔ اس کے ابتدائی سادہ صفحات پر یادداشت کے طور پر کچھ اشارات درج ہیں۔ چوں کہ یہ قلمی نسخہ اور اس ذخیرے کے دیگر مسودات بھی اسرائیل احمد مینائی کے برادر بزرگ ادریس احمد المتخلص بہ خالد مینائی کی تحویل میں خاصہ عرصہ رہے لہٰذا گمانِ غالب ہے کہ ان تمام نسخوں پر مندرج اس طرح کی یادداشتیں خالد مینائی صاحب ہی کے قلم سے نکلی ہیں۔ خالد مینائی مرحوم نہ صرف شاعر تھے بلکہ اہل علم میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ خالد مینائی صاحب کے درج کردہ اشارات کے مطابق اس کے تین سو تیئیس (۳۲۳) صفحات ہیں اور جن الفاظ و محاورات کا اندراج کیا گیا ہے ان کی تعداد ایک ہزار سات سو چودہ (۱۷۱۴) ہے۔

اس نسخے کے آخر میں ترقیمہ اور ابتدا میں دیباچہ وغیرہ نہیں ہے اور نہ ہی کہیں سالِ

کتابت درج ہے۔ لیکن مکاتیب امیر مینائی کے منقولہ بالا الفاظ (جن میں بہار ہند کا ذکر ہے) امیر کے جس خط سے لیے گئے ہیں وہ ۲۶ ستمبر ۱۸۹۱ء کا مکتوبہ ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لغت اس سے پہلے لکھی جا چکی تھی۔ یا ممکن ہے کہ اضافے اس سال کے بعد ہوئے ہوں۔ بہر حال اردو الفاظ کے اندراجات اردو لغت نویسی کے لحاظ سے بھی اہم ہیں اور لغت نویسوں کے لیے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

۲۔ سرمۂ بصیرت

یہ بھی ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ابو محمد سحر صاحب نے ''شعلۂ جوالہ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''سرمۂ بصیرت'' میں عربی اور فارسی کے ان الفاظ کی تصحیح کی گئی ہے جو غلط لکھے جاتے ہیں[۱۰] لیکن یادداشت، جو ''سرمۂ بصیرت'' کے قلمی نسخے کے ابتدائی سادہ صفحے پر درج ہے (اور غالباً خالد مینائی کے قلم سے ہے)، کے مطابق اس میں عربی، فارسی اور بعض دیگر زبانوں کے ان الفاظ کی وضاحت اور تشریح کی گئی ہے جو یا غلط مستعمل ہیں یا جن کے بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ ممتاز علی آہ نے بھی لگ بھگ یہی بات کہی ہے[۱۱]۔

سحر صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ چوں کہ ''شعلۂ جوالہ'' ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں چھپی تھی اور اس میں امیر کی لغات میں سے صرف ''سرمۂ بصیرت'' کا ذکر ہے لہٰذا یہ لغت امیر نے سب سے پہلے مرتب کی ہوگی[۱۲]۔ یہ یقیناً قرین قیاس ہے لیکن ''سرمۂ بصیرت'' کے ایک اور قلمی نسخے پر، جو خانوادۂ مینائی کی ملکیت ہے، تاریخِ کتابت ۱۰/اکتوبر ۱۸۷۴ء درج ہے۔ ممکن ہے کہ امیر نے اس میں بعد میں اضافے کیے ہوں۔ نسخے پر مرقوم یادداشت کے مطابق ''سرمۂ بصیرت'' (کے اس نسخے) کے صفحات پانچ سو انیس (۵۱۹) ہیں اور اس میں ایک ہزار نو سو تریسٹھ (۱۹۶۳) اندراجات ہیں۔

۳۔ معیار الاغلاط

ابو محمد سحر صاحب کے مطابق رضا لائبریری رام پور میں امیر کی مرتبہ ایک لغت کا قلمی نسخہ موجود ہے جس کا نام ''معیار الاغلاط'' ہے اور بعض شواہد کی موجودگی میں وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ''معیار الاغلاط'' کا قلمی نسخہ دراصل ''سرمۂ بصیرت'' ہی کا ہے[۱۳]۔ ان کا خیال ہے کہ اس نسخے کی کتابت ۱۲۸۱ھ اور ۱۲۸۵ھ کے درمیان یعنی نواب کلب علی خاں کے دور میں ہوئی اور امیر نے ''سرمۂ بصیرت'' کا نام مواد کی مناسبت سے بدل کر ''معیار الاغلاط'' کر دیا[۱۴]۔ انھوں نے نسخے کی بعض دیگر تفصیلات بھی دی ہیں۔

خانوادۂ امیر مینائی کے ذخیرے میں ''معیار الاغلاط'' کے نام کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ لیکن ''سرمۂ بصیرت''، جس کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے، کے قلمی نسخے کے بڑی تقطیع کے پانچ سو انیس (۵۱۹) صفحات ہیں اور سحر صاحب نے ''معیار الاغلاط'' کا جو نسخہ دیکھا تھا وہ بقول ان کے ''بڑی تقطیع کے دو سو سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے[۱۵]''۔ ہماری ناچیز رائے میں ایک ہی کتاب کے دو قلمی نسخے اتنے زیادہ تفاوت کے حامل ہونے کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ اس میں مصنف نے بہت زیادہ اضافے کیے ہوں۔ اس صورت میں بھی نیا مسودہ قریب قریب ایک نئی کتاب بن جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نسخۂ رام پور اسی لغت کا خلاصہ یا مختصر ابتدائی مسودہ ہو۔ اور ایک امکان یہ بھی ہے کہ یہ ایک الگ ہی کتاب ہو۔ تاہم دونوں نسخوں کے تفصیلی موازنے کے بغیر کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔

۴۔ محاورات و مصادر

ابو محمد سحر صاحب نے اس کا ذکر ''محاورات مصادر اردو'' کے نام سے کیا ہے۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں: ''محاورات مصادر اردو کا ذکر امیر نے اپنی کسی تصنیف میں نہیں کیا۔ 'امیر مینائی' [مولفہ ممتاز علی آہ] سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لغت اردو زبان میں تھا۔ مولف نے اس کی نوعیت کے بارے میں اتنا اور لکھا ہے کہ نام سے ظاہر ہے''[۱۶]۔

اس کا قلمی نسخہ بھی راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ اس پر اس کا نام ''محاورات و مصادر'' درج ہے لیکن یہ کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں معلوم ہوتا اور غالباً بعد کا اضافہ ہے۔ یہ معروف معنوں میں لغت بھی نہیں کہی جا سکتی کیوں کہ اس میں تشریح نہیں ہے۔ امیر نے الفاظ کے ساتھ صرف سند کے اشعار دیے ہیں۔ ہر لفظ کے اندراج کے بعد شعر درج ہے اور شاعر کا نام سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ باقی تمام مسودہ سیاہ روشنائی سے کتابت کیا گیا ہے۔ بڑی تقطیع کی دو جلدیں ہیں۔ اس پر درج یادداشت (جو غالباً خالد مینائی صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے) کے مطابق پہلی جلد کے چار سو تہتر (۴۷۳) اور دوسری جلد کے تین سو پانچ (۳۰۵) صفحات ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سارا کام امیر نے لغت نویسی کے خام مواد کے طور پر مرتب کیا ہو تا کہ بعد میں یعنی لغت کی تسوید کے وقت اسناد کی تلاش میں دقت نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مقصد ایک ایسی لغت کی ترتیب ہو جس میں محض الفاظ کی اسناد دی گئی ہوں۔ ایسی ہی بعض لغات بعد کے ادوار میں بھی ملتی ہیں، اس ضمن میں ''معین الشعراء'' کی مثال دی جا سکتی ہے۔

۵۔فرہنگِ محاورات اردو

یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔اس کا قلمی نسخہ مینائی خاندان کے ذخیرے میں شامل ہے۔اس کا بھی عنوان باقاعدہ کتابت کے انداز میں نہیں لکھا گیا بلکہ کسی نے بعد میں، غالباً خالد مینائی صاحب ہی نے، بطور یادداشت ''فرہنگِ محاورات اردو'' لکھ لیا ہوگا۔البتہ اس میں محاورات کے علاوہ کچھ فقرے اور مرکبات وغیرہ بھی درج ہیں۔اس کے صفحات کی تعداد نہیں لکھی گئی نہ ہی اوراق پر شمار کا کوئی عدد ہے۔لیکن یہ خاصی ضخیم ہے۔پہلا اندراج لفظ ''آپ بیتی'' کا اور آخری اندراج ''یہ کیا زبان نکالی ہے'' کا ہے۔آخر میں ''تمام شد'' کے بعد تاریخِ کتابت ''یکم مارچ ۱۸۹۸ء'' درج ہے۔

۶۔لغات اردو کی فارسی شرح

یہ بھی غیر مطبوعہ ہے اور یہ واحد قلمی نسخہ اس ذخیرے کا ہے جس کے ابتدائی صفحات غائب ہیں۔ اس کے انچاس (۴۹) صفحات ناپید ہیں اور یہ صفحہ پچاس (۵۰) سے شروع ہوتا ہے۔یہ اس لیے عجیب لگتا ہے کہ اس ذخیرے کے تقریباً تمام مسودات نہایت عمدہ جلد بندی اور حفاظت کے سبب بہت اچھی حالت میں ہیں۔کسی نے بعد میں اس نسخے پر ''لغات اردو کی فارسی شرح'' لکھ کر وضاحت کی ہے ورنہ بظاہر اس کا کوئی نام نہیں ہے۔بڑی تقطیع کے ایک ہزار چار سو اکہتر (۱۴۷۱) صفحات ہیں۔ پہلا اندراج ''آلوپ انجن'' اور آخری اندراج ''ہنڈول ماہا'' ہے۔ ہلکی سرخ روشنائی سے اردو الفاظ درج ہیں اور فارسی میں تشریح سیاہ روشنائی سے ہے لیکن صفحہ ایک سو پچاس (۱۵۰) کے بعد یہ اہتمام ختم کر دیا گیا ہے اور تمام عبارت کالی روشنائی سے لکھی گئی ہے۔

۷۔اسنادِ اشعار

یہ قلمی نسخہ بھی بغیر کسی عنوان کے ہے اور اس پر بھی بعد میں کسی نے اس کا نام ''اسنادِ اشعار'' لکھ دیا ہے۔بڑی تقطیع ہے۔صفحات کا عدد نہیں پڑا ہوا۔اس میں اشعار اور جملے ہیں جو غالباً بطور سند لغت میں استعمال کے لیے جمع کیے گئے ہیں۔شعری اور نثری اسناد زیادہ تر حرف ''الف'' اور ''ب'' سے شروع ہونے والے الفاظ کی ہیں۔کچھ اسناد ''جیم'' سے شروع ہونے والے الفاظ کی بھی ہیں۔جن کتابوں سے اسناد لی گئی ہیں ان کے نام یہ ہیں: درۃ التاج، دیوانِ اسیر سوم، دیوانِ رند، مراثی انیس اور مراۃ العروس۔

۸۔سند کے اشعار

اس قلمی نسخے پر کوئی نام نہیں ہے اور کسی نے اس پر وضاحتاً ''سند کے اشعار'' لکھ دیا

ہے۔اس میں شعری اور نثری اسناد ہیں۔نثر میں ''سیر کہسار'' کی بھی اسناد شامل ہیں۔زیادہ تر الفاظ وہ ہیں جو حرف ''ت'' سے شروع ہوتے ہیں۔

۹۔اسناد

یہ بیس پچیس صفحات کا ایک چھوٹی تقطیع کا قلمی نسخہ ہے۔اس پر کوئی عنوان نہیں ہے اور اس میں متفرق اسناد درج ہیں۔

۱۰۔نمونۂ لغت اردو

یہ ''نمونۂ امیر اللغات'' کے نام سے ۱۸۸۶ء میں شایع ہو چکا ہے اور ''امیر اللغات'' (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) کی اشاعت سے قبل نمونے کے طور پر ترتیب دیا گیا تھا۔اس قلمی نسخے کے بڑی تقطیع کے چونسٹھ (۶۴) صفحات ہیں۔لفظ آنکھ اور اس سے متعلق محاورات، مرکبات اور کنایات درج ہیں۔اندراجات سرخ روشنائی سے ہیں اور تشریح میں سیاہ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔

۱۱۔گنجینۂ قوافی

اسرائیل احمد مینائی صاحب کے مطابق امیر مینائی کی یہ غیر مطبوعہ تصنیف الف سے ی تک ہے اور قافیوں پر مبنی ہے۔راقم کو اس کا قلمی نسخہ دیکھنے کا موقع نہ مل سکا۔

۱۲۔جانِ تاریخ

اسرائیل احمد مینائی صاحب کی روایت کے مطابق امیر کی یہ تالیف بھی غیر مطبوعہ ہے اور اس میں عربی، فارسی اور عربی کے ان الفاظ کو پیش کیا گیا جن کے اعداد یکساں ہیں اور اس طرح تاریخ گوئی میں اس سے مدد لی جا سکتی ہے۔راقم کو اس کا قلمی نسخہ دیکھنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

۱۳۔رسالہ بحثِ اعدادِ حروف تہجی

امیر کی اس غیر مطبوعہ تصنیف کا قلمی نسخہ بھی راقم نہ دیکھ سکا۔اسرائیل مینائی صاحب کے مطابق اس میں ان حروف تہجی کے اعداد کی تحقیق کی گئی ہے جو متنازع فیہ ہیں۔

۱۴۔امیر اللغات، جلد سوم

اس کے قلمی نسخے کی راقم نے تدوین کی ہے اور پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج (لاہور) نے اسے شایع کر دیا ہے۔اس نسخے کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

اس ذخیرے کے مخطوطات کے تعارف کے بعد اب ہم امیر مینائی کی لغت نویسی کا جائزہ امیر اللغات اور اصول لغت نویسی کی روشنی میں لیں گے۔

امیر اللغات کا تعارف:

''امیر اللغات'' امیر مینائی کا ایک بڑا کارنامہ ہے ۱۷۔ اس کی ابتدا سے متعلق امیر مینائی کا بیان ہے کہ نواب کلب علی خاں سے سر الفریڈ لائل، جو اس وقت لفٹننٹ گورنر شمال مغربی صوبہ اور چیف کمشنر اودھ تھے، نے اردو کی ایک جامع لغت کی فرمائش کی ۱۸۔ نواب نے امیر مینائی سے کہا کہ وہ ایسی ایک لغت تیار کریں۔ امیر نے لفظ ''آنکھ'' اور اس کے مرکبات و تشبیہات سے متعلق الفاظ کا نمونہ تیار کر کے بھجوایا جسے منظوری کے بعد ۱۸۸۶ء میں چھاپا گیا ۱۹۔ اس ضمن میں ابو محمد سحر نے لکھا ہے کہ نمونے میں آنکھ اور ظاے منقوطہ کے الفاظ و مرکبات تھے ۲۰۔ لیکن اس کا جو قلمی مسودہ راقم کی نظر سے گزرا ہے (جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا ہے) اس میں صرف آنکھ کے الفاظ ہیں۔

امیر نے لغت کی تدوین و اشاعت کے لیے ایک باقاعدہ دفتر قائم کیا جسے دفتر امیر اللغات کہا جاتا تھا۔ ڈاکٹر سید جاوید اقبال نے ڈاکٹر ابو محمد سحر کی اس بات سے اختلاف کیا ہے کہ یہ دفتر ۱۸۸۹ء میں قائم ہوا تھا اور امیر مینائی کے خطوط کی مضبوط شہادت کی بنیاد پر یہ رائے قائم کی ہے کہ دفتر کا قیام ۱۸۸۸ء میں عمل میں آچکا تھا ۲۱۔ آخر ۱۸۹۱ء میں ''امیر اللغات'' کا پہلا حصہ شایع ہوا جو الف ممدودہ سے شروع ہونے والے الفاظ پر مبنی تھا۔ تین سو سترہ (۳۱۷) صفحات پر مبنی اس پہلی جلد پر ملک کے اہم جرائد و رسائل میں نہایت حوصلہ افزا تبصرے ہوئے اور (سر) سید احمد خان، نور الحسن نیر (جنھوں نے آگے چل کر ''نور اللغات'' تالیف کی)، اکبر الہ آبادی، عبد الحق خیر آبادی اور بعض دیگر نامور اہلِ علم نے بھی مثبت تبصرے کیے۔ امیر اللغات کی دوسری جلد کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ ۱۸۹۲ء میں چھپی اور اس جلد پر سن اشاعت یہی لکھا ہے لیکن درحقیقت اس کو چھپتے چھپتے خاصا وقت لگا اور یہ ۱۸۹۳ء سے پہلے منظرِ عام پر نہ آسکی، جیسا کہ امیر مینائی کے خطوط سے بھی ظاہر ہے ۲۲۔

''امیر اللغات'' کی پہلی جلد کی اشاعت کے بعد ایک علمی نزاع بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ مولوی سید احمد دہلوی، مؤلف ''فرہنگ آصفیہ'' (جو پہلے ''ارمغان دہلی'' کے نام سے شایع ہوئی تھی) نے ''امیر اللغات'' پر (نیز بعد میں ''نور اللغات'' پر بھی) سرقے کا الزام عائد کیا ۲۳۔ حامد حسن قادری

نے موازنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ یہ الزام غلط ہے۲۴۔ دراصل یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ سید احمد دہلوی ''فرہنگ آصفیہ'' میں درج اردو الفاظ ومحاورات کو اپنی تخلیق سمجھتے تھے حالانکہ حامد حسن قادری کے بقول کوئی بھی ان کو تلاش کر کے لکھ سکتا ہے۲۵۔

لغت میں شامل الفاظ پر دعوے کے سلسلے میں ایک دل چسپ واقعہ پروفیسر سید حسن نے اپنے مضمون ''لغت نویسی'' میں بیان کیا ہے۔ اجمال اس تفصیل کی یہ ہے کہ ۱۰۱۴ ہجری [۱۶۰۶/۵ عیسوی] میں تقی اوحدی نے مشکل اور نامانوس الفاظ پر مشتمل ایک فرہنگ ''سرمۂ سلیمانی'' ترتیب دی جس میں اس نے ''فرہنگ سروری'' [جو ''مجمع الفرس'' کے نام سے بھی معروف ہے (پاریکھ)] سے الفاظ اخذ کیے لیکن اسناد کو خارج کر دیا۔ ''فرہنگ سروری'' کا مؤلف محمد بن قاسم بن حاجی محمد کاشانی [جو محمد قاسم سروری کے نام سے بھی معروف ہے (پاریکھ)] یہ دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوا اور تقی اوحدی سے جھگڑنے لگا کہ اس نے اس کی کتاب سے الفاظ لے کر اپنی کتاب میں داخل کر لیے ہیں اور آخر کار حاکمِ اصفہان کے پاس نالش کی۔ حاکم نے سوال کیا کہ کیا یہ الفاظ تم نے وضع کیے تھے؟ سروری نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر حاکم نے کہا کہ جہاں سے تم نے الفاظ جمع کیے ہیں وہیں سے تقی نے بھی لیے ہیں اور مقدمہ خارج کر دیا۲۶۔

ظاہر ہے کہ کوئی لغت نویس اپنی طرف سے لفظ نہیں گھڑ سکتا اور اسے وہی الفاظ (اور ان کے معنی) اپنی لغت میں درج کرنے ہوتے ہیں جو رائج ہوں اور جو دیگر لغات میں بھی بالعموم درج ہوتے ہیں۔ قاضی عبدالودود کا بھی یہی خیال ہے کہ امیر پر سرقے کا الزام صحیح نہیں ہے بلکہ قاضی صاحب نے تو مؤلف ''فرہنگ آصفیہ'' کے بارے میں لکھا ہے کہ ''مؤلف لغت نویسی کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد سمجھنے لگے تھے کہ یہ ان کے لیے مخصوص ہو گیا ہے''۲۷۔ ''امیر اللغات'' پر فیلن کی لغت کا چربہ ہونے کا بھی الزام لگا۔ امیر پر ایک اور الزام یہ بھی لگایا گیا ہے کہ انھیں لغت لکھنے کا خیال جلال لکھنوی کی ''سرمایۂ زبان اردو'' کی طباعت کے بعد آیا۔ لیکن یہ دونوں الزمات درست نہیں ہیں۲۸۔

امیر اللغات کی جلدوں کی صحیح تعداد:

''امیر اللغات'' کی جلدوں کی صحیح تعداد کے سلسلے میں خاصی غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ اسرائیل احمد مینائی نے ایک جگہ ان کی تعداد اکیس (۲۱) لکھی ہے۲۹ لیکن ڈاکٹر شعائر اللہ وجیہی کا کہنا ہے کہ:

''امیر اللغات کا مکمل مسودہ رضا لائبریری میں فرہنگ حامدیہ کے نام سے ۲۸ [اٹھائیس] جلدوں میں محفوظ ہے''۳۰۔ ڈاکٹر کریم الدین احمد نے لکھا ہے'' کہا جاتا ہے کہ انھوں نے [امیر نے] لغت مکمل کرلیا تھا صرف طبع ہونا باقی تھا۔ لیکن شاید ان کے خاندان میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے بعد اس سرمائے کی حفاظت کرتا۔ مرتب شدہ جلدیں وہ اپنے ساتھ دکن لے گئے تھے اور غالباً وہیں موسیٰ ندی کے سیلاب میں وہ جلدیں غرق ہوگئیں، اب صرف دو مطبوعہ اور ایک غیر مطبوعہ جلد ([مخزونہ] رضا لائبریری رام پور) باقی رہ گئی''۳۱۔ جبکہ اسمٰعیل مینائی کے بقول ''امیر نے ''ی'' تک کے الفاظ کاغذ پر منتقل کر دیے تھے، معنی اور سندیں نہیں لکھی گئی تھیں''۳۲۔ اس کے برعکس شمس الحق سجاد علی شاہ میکش حیدر آبادی کے مطابق اس لغت کی چھے جلدیں اور موجود ہیں جو ابھی طبع نہیں ہوئیں۳۳۔

اس ضمن میں راقم الحروف کی رائے ہے کہ جو جلدیں رام پور کے کتب خانے میں محفوظ ہیں وہ امیر اللغات کی نہیں ہوسکتیں کیوں کہ، اولاً ڈاکٹر سیّد جاوید کے مطابق ۱۸۹۴/۵ء تک امیر اللغات کی صرف تین جلدیں مکمل ہوسکی تھیں۳۴۔ اس بات کی تصدیق ''امیر اللغات'' کی تیسری جلد سے بھی ہوتی ہے جس میں امیر نے تاریخ درج کی ہے جو غالباً نظر ثانی کی ہے۔ صفحہ ۴ پر یہ تاریخ ۸ فروری ۱۸۸۵ء بروز جمعہ ہے۔ تیسری جلد کے قلمی نسخے میں ایک اور جگہ یہ تاریخ ۱۰ مئی ۱۸۹۸ء ہے (ص ۲۶۹)۔ صفحہ ۲۷۵ پر یہ ۱۴ مئی ۱۸۹۸ء ہے۔

سیّد جاوید صاحب نے معتمدین دفتر امیر اللغات کے جو خطوط مدون کیے ہیں ان میں سے بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر اللغات کا تیسرا حصہ ۱۸۹۴ء اور ۱۸۹۶ء کے درمیان تکمیل کو پہنچا۳۵۔ اس کے علاوہ امیر نے ایک خط منشی محمد سجاد حسین لکھنوی کو ۳ مارچ ۱۸۹۵ء کو لکھا تھا جس میں جلد سوم میں شامل کچھ الفاظ و محاورات اور ان کے معنی کے بارے میں تصدیق چاہی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں ''مجھے تعجیل مطلوب ہے اس لیے کہ حصہ بالکل تیار و مکمل ہے صرف اسی کی کمی ہے''۳۶۔ نیز ڈاکٹر تحسین فراقی بھی امیر کے بعض مکتوبات کی بنیاد پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امیر اللغات کی تین جلدیں مکمل ہوگئی تھیں اور باقی جلدوں پر کام ۱۸۹۹ء تک جاری رہا۳۷۔

ہم جانتے ہیں کہ امیر نہ صرف کئی عوارض میں مبتلا ہوگئے تھے جس کے سبب تصنیف و تالیف کے کام میں انھیں حد درجہ دقت ہوتی تھی بلکہ ۱۸۹۶ء کے بعد دفتر امیر اللغات ابتری کا شکار ہوا، کچھ عرصے بند رہا، امیر شدید مالی پریشانیوں میں گھر گئے، ۱۸۹۹ء میں گھر میں آگ لگ گئی اور

ایک شاندار کتب خانہ جو لغت کی اسناد کے اخذ اور دیگر علمی ضروریات کے لیے جمع کیا گیا تھا تقریباً تمام ضائع ہو گیا۔ ان حالات میں ایک ضعیف العمر اور بیمار شخص کا بقیہ پچیس کے قریب جلدیں چند برسوں میں مکمل کر لینا (یاد رہے کہ ۱۹۰۰ء میں امیر کا انتقال ہو گیا تھا) امرِ ناممکن لگتا ہے۔

ثانیاً، الطاف حسین حالی اور اسمٰعیل پانی پتی وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ ''فرہنگ حامدیہ'' کے نام سے ۱۹ (انیس) جلدوں میں ایک لغت مولوی عبدالمجید خاں رامپوری نے ترتیب دی تھی جسے نواب حامد علی خاں والیٔ رام پور نے شاہی کتب خانے میں داخل کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ اس کی طباعت کا انتظام ہو سکے لیکن اس کے بعد نواب کا انتقال ہو گیا اور یہ مسودہ چھپ نہ سکا[۳۸]۔ گویا شعائر اللہ صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ جلدیں ۲۸ نہیں بلکہ ۱۹ ہیں اور وہ ''امیر اللغات'' کی نہیں ''فرہنگ حامدیہ'' کی ہیں جو ایک بالکل الگ لغت ہے۔

ثالثاً، امیر نے لغت آٹھ (۸) جلدوں میں لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس کا اعلان ''امیر اللغات'' کے اشتہار میں کیا گیا تھا جو ''پیام یار'' کے شمارہ فروری ۱۸۹۱ء میں بھی شایع ہوا تھا[۳۹]۔ امیر نے تین جلدیں مکمل کر لی تھیں لیکن طباعت کے لیے سرمایہ نہیں تھا۔ تیسری جلد حرف ''ب'' سے شروع ہونے والے الفاظ پر مشتمل تھی۔ ''پ'' اور ''ت'' کے الفاظ چوتھی اور پانچویں جلد میں تھے اور ان پر کام ۱۸۹۸ء تک جاری رہا[۴۰]۔ امیر ۱۹۰۰ء میں حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہیں اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا یہ قرین قیاس نہیں کہ اس پریشان حالی کے زمانے میں امیر نے لغت مکمل کر لی ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ امیر نے الفاظ کی فہرستیں تیار کر لی ہوں اور ان کے معنی اور اسناد لکھے جانے ہوں جو نہ لکھے جا سکے۔

امیر اللغات کی جلدوں کی تعداد احسن اللہ ثاقب نے بھی آٹھ (۸) بتائی ہے لیکن انھوں نے ایک اور مغالطے کو بھی جنم دیا ہے، ان کے بقول: ''امیر اللغات جلد سوم: اس میں بائے موحدہ اور مثلثہ اور کچھ تائے فوقانی کے الفاظ و محاورات جمع کیے تھے مگر چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد پانچ جلدیں تالیف کے لیے اور تجویز ہوئی تھیں''[۴۱]۔ لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں کہ جلد سوم میں بائے موحدہ (یعنی ''ب'') کے ساتھ ساتھ مثلثہ (یعنی ''پ'') اور کچھ تائے فوقانی (یعنی ''ت'') سے شروع ہونے والے الفاظ بھی شامل تھے۔ تیسری جلد میں (جس کی تدوین راقم نے کی ہے اور یہ شایع بھی ہو چکی ہے) ''پ'' اور ''ت'' سے شروع ہونے والے الفاظ بالکل نہیں ہیں اور صرف ''ب'' سے شروع ہونے والے الفاظ ہی تیسری جلد میں ہیں۔ ''پ'' اور ''ت'' کے الفاظ غالباً چوتھی

جلد میں ہوتے۔ البتہ یہ ہے کہ ابتدا میں اس کی آٹھ ہی جلدیں لکھی جانی طے تھیں مگر بقول تحسین فراقی صاحب کے امیر مینائی نے جتنے بڑے پیمانے پر کام شروع کیا تھا اور جس دیدہ ریزی اور لسانی شعور کا ثبوت دیا تھا اگر ان کی عمر وفا کرتی تو یہ کام اٹھارہ بیس جلدوں سے کم میں نہ سمٹتا ۴۲۔

امیر اللغات کی تیسری جلد کے قلمی نسخے کا تعارف:

امیر اللغات کی تیسری جلد کی تدوین اور تحشیہ کا اعزاز راقم کے حصے میں آیا ہے اور پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج نے اسے شایع کر دیا ہے۔ اس ضمن میں اسرائیل مینائی صاحب کے تعاون اور معین الدین عقیل صاحب اور تحسین فراقی صاحب کی رہنمائی کا اعتراف نہ کرنا احسان ناشناسی ہوگی۔

امیر اللغات کی تیسری جلد کا مسودہ ہماری معلومات کی حد تک واحد نسخہ ہے لہٰذا اسے وحید نسخہ کہنا چاہیے۔ یہ ''ب'' سے شروع ہونے والے الفاظ پر مشتمل ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور ''فصل بائے موحدہ'' کی سرخی کے بعد ''فصل بائے موحدہ مع الف'' کی سرخی ہے۔ اس کے بعد اندراجات ہیں۔ پہلا اندراج ''باایں ہمہ'' کا ہے اور آخری اندراج صفحہ ۳۱۴ پر بیہڑ کا ہے۔

نسخہ بڑی تقطیع پر ہے۔ مسطر کا سائز سوا آٹھ انچ اور ساڑھے پانچ انچ ہے۔ کہیں کہیں اس کی سختی سے پابندی نہیں بھی کی گئی ہے۔ امیر نے کہیں کہیں وضاحتی پاورقی حاشیے لکھے ہیں جو ہم نے من وعن لے لیے ہیں اور ان کے آخر میں قوسین میں ''امیر'' لکھ دیا ہے تاکہ وہ راقم کے حواشی سے ممیّز رہیں۔ راقم کے حواشی کے بعد قوسین میں مرتب لکھا گیا ہے۔ نسخے کے کل صفحات ۳۱۴ ہیں جن پر شمار کا عدد نہیں ہے لیکن بعد میں کسی نے صفحات کے نمبر ڈال دیے ہیں۔ کسی نے اندراجات کو شمار کرنے کے لیے ان پر بھی شمار کا عدد لکھا ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ خالد مینائی صاحب نے کیا ہوگا۔ بعض صفحات پر دو بار (یعنی الگ الگ) نمبر بھی پڑے ہیں۔ ہر کالم میں اٹھارہ سطریں ہیں، سوائے ان کالموں کے جن کے نچلے حصے میں امیر نے حواشی لکھے ہیں۔

ہر صفحے پر اندراجات تین تین انچ کے دو کالموں میں ہیں، سوائے چند ایک صفحات کے جن پر تین انچ کا ایک ہی کالم ہے۔ درمیان میں چند صفحات سادہ چھوڑ دیے گئے ہیں۔ کتابت صاف ہے اور نستعلیق ہے لیکن درمیان میں ایک جگہ چند صفحات میں خط بدلا ہوا ہے۔ غالباً دو کاتبوں نے لکھا ہے۔ سیاہی سے کتابت کی گئی ہے اور اصلاح، اضافہ، ترمیم و تنسیخ سرخ اور گہری

بنفشی روشنائی سے کی گئی ہے۔ ان اصلاحات اور اضافوں کا خط بھی الگ ہے اور قلم بھی باریک ہے۔ بہ ظاہر یہ امیر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن کتابت ایسی نہیں ہے کہ اس سے چھپائی ہو سکے۔ غالباً یہ امیر کی نظر ثانی کے لیے تیار کیا گیا نسخہ تھا جس پر انھوں نے اپنے قلم سے جا بجا اضافے، ترمیم، تنسیخ اور تصحیح کی ہے۔ نسخہ اچھی حالت میں ہے اور صرف چند ایک مقامات پر آب رسیدگی کے نشان ہیں اور چند ایک مقامات پر کچھ نشانات پڑ گئے ہیں جو غالباً کاغذ کی چٹیں رکھنے سے بنے ہیں۔ مگر ان تمام مقامات پر الفاظ بآسانی پڑھے جاتے ہیں۔ مجلد ہونے کی وجہ سے نسخہ محفوظ ہے لیکن چند ایک مقامات پر جلد ساز کی کٹائی اور سلائی سے الفاظ ضائع ہو گئے ہیں۔ ایسے مقامات پر قیاسی/ اضافہ کیا گیا ہے جو چوکور خطوط وحدانی (یعنی [ ]) میں ہے اور حواشی میں حسب ضرورت اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ تیسری جلد کے آغاز میں کوئی دیباچہ یا تقریظ وغیرہ نہیں ہے نہ ہی آخر میں کوئی ترقیمہ یا قطعۂ تاریخ وغیرہ ہے۔

امیر اللغات کی بعض نمایاں خصوصیات اور اصولِ لغت نویسی

الف۔ اندراجات اور ان کے اصول

اُردو لغات پر ایک عمومی اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان میں اندراجات افراط و تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ کسی لغت نے انگریزی کے الفاظ بے محابا لے لیے تو کسی نے اُردو کے کئی اہم الفاظ ''بازاری'' سمجھ کر چھوڑ دیے۔ کئی اہم شعرا کے کلام میں استعمال کیے گئے الفاظ بھی مختلف وجوہ کی بنا پر مختلف لغات نے بطور اندراج شامل نہیں کیے۔ حتیٰ کہ نظیر اکبر آبادی جیسے بے مثل عوامی شاعر (جن کے کلام میں اُردو کے ٹھیٹھ اور نادر الظہور الفاظ کا ذخیرہ ہے اور جن کے خوب صورت اور کار آمد ہونے میں کوئی کلام نہیں) کی شاعری سے بعض لغات میں سند اسی لیے نہیں لی گئی کہ ان کے ہاں الفاظ کی علاقائی شکلیں اور عوامی روپ نیز روز مرہ زندگی میں برتے جانے والے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ افسوس کہ اُردو لغات میں اسناد کے ذیل میں ابتدا ہی سے شاعری کا غلبہ رہا اور فیلن کے سوا کسی نے بھی نثری اسناد کو شامل کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ اکثر پرانی لغات میں چند ایک مقامات ہی پر نثری اسناد ملتی ہیں۔ حالانکہ زبان تو وہ بھی ہے جو لوگ بولتے ہیں۔ اردو کے انگریز لغت نویسوں بالخصوص پلیٹس اور فیلن نے عملی تحقیق کی اور مختلف علاقوں کے لوگوں سے مل کر ایسے الفاظ اپنی لغت میں شامل کیے جو گلی کوچوں میں عام لوگ اپنی زبان میں استعمال کرتے تھے۔

امیر اللغات اس لحاظ سے اس معاملے میں بہتر ہے کہ امیر نے بول چال کی زبان کے کئی ایسے الفاظ لغت میں شامل کر لیے ہیں جو اس زمانے میں بعض کے نزدیک غیر فصیح ہوں گے۔ البتہ انھوں نے ایسے الفاظ کے اندراج کے بعد لکھ دیا ہے کہ یہ فصحا نہیں بولتے، یا یہ بازاری لوگوں کی زبان ہے یا اسے عورتیں بولتی ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ نظیر اکبر آبادی کے بارے میں امیر جیسے عالم فاضل اور کئی زبانوں کے ماہر کا رویہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ امیر نے زاہد حسین زاہد کے نام ایک خط میں لکھا کہ: ''نظیر کے کلام نے ایک لفظ کا فائدہ نہیں دیا۔''[۴۳]

لیکن یہ امر اطمینان بخش ہے کہ امیر نے انشا، جان صاحب اور رنگین سے کئی جگہ استناد کیا ہے۔ البتہ نظیر کے بارے میں ان کی رائے اس لیے تعجب خیز ہے کہ امیر لغت میں زیادہ سے زیادہ الفاظ شامل کرنے کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس میں سنسکرت اور انگریزی کے الفاظ شامل کرنے پر بھی رضامند تھے اور ''فرہنگِ فرنگ'' اور بعض دیگر ایسے مآخذ (جن میں ایسے انگریزی الفاظ دیے گئے تھے جو اس دور کے اخبارات میں مستعمل تھے) کے الفاظ کی جمع آوری کے لیے اپنے بعض احباب کو ''تکلیف'' بھی دینا چاہتے تھے[۴۴] کیوں کہ وہ انگریزی سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔

امیر نے لغت کی تدوین کے سلسلے میں آرا کے حصول کے لیے نہ صرف دور دراز کے سفر کیے اور مقامی اور یورپی اہل علم (بشمول سید احمد خاں) سے مشورہ کیا بلکہ لغت کے مندرجات و مشمولات پر مشورے کے لیے ایک کمیٹی بھی بنائی تھی (جو مجبوراً ختم کرنی پڑی کیوں کہ کمیٹی میں الفاظ پر بحث مباحثے بلکہ اختلافات سے وقت بہت ضائع ہوتا تھا اور کوئی حتمی رائے بھی سامنے نہیں آتی تھی)[۴۵]۔

لغت میں زیادہ سے زیادہ الفاظ اور اسناد کے اندراج کے لیے امیر نے عمدہ کتب خانہ بھی مہیا کر لیا تھا۔ لیکن لغت میں نظیر کی شاعری میں مستعمل الفاظ اور بعض دیگر الفاظ کے شامل نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امیر کو لغت کی صحت کا بہت خیال تھا اور اس امر کا شدت سے احساس تھا کہ لغت میں کوئی غیر معتبر یا نادرست اندراج نہ ہو جائے۔ خود کہتے ہیں کہ:

ہم سند کے لیے لغت میں امیر
فصحا کی زبان لیتے ہیں[۴۶]

اسی سلسلے میں انھوں نے منشی محمد سجاد حسین لکھنوی، مدیر ''اودھ پنچ'' (لکھنؤ) کو ایک خط لکھ کر بعض الفاظ ومحاورات کی صحت کی تصدیق بھی چاہی تھی ۴۷۔ صحت الفاظ کے ضمن میں امیر کی رائے تھی کہ بہت احتیاط برتی جائے اور اگر کچھ الفاظ رہ جائیں تو انھیں ضمیمے میں شامل کرلیا جائے۔ ان کے اپنے بعض اصول تھے جن کے تحت انھوں نے ابتدائی دو جلدوں میں آزردگی، آسودگی، آشفتگی اور آوارگی جیسے الفاظ کو نیز آفس اور آفیسر جیسے انگریزی الفاظ کو بھی شامل نہیں کیا لیکن یہ اعتراف بھی کیا کہ بعض الفاظ ''نقص استقرا سے رہ گئے ہیں۔'' ۴۸ تیسری جلد میں بھی یہ کمی موجود ہے اور اس میں بعض اہم الفاظ ومحاورات کا اندراج نہیں ملتا۔

جلد سوم میں ایک بات جو کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض اہم اندراجات تو موجود نہیں ہیں لیکن ان کے ذیلی مرکبات کا اندراج کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ''بس'' کا اندراج نہیں ہے لیکن ''بس کی گانٹھ'' موجود ہے۔ حالانکہ بس کی گانٹھ سے پہلے ''بس'' کا مفرد اندراج ضروری تھا جس میں بس کے معنی لکھے جاتے اور پھر اس کے ذیلی یا تحتی مرکب کے طور پر ''بس کی گانٹھ'' کا اندراج ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح لفظ ''بیخ'' کا اندراج مفرد حالت میں نہیں ملتا لیکن اس کے مرکبات ''بیخ بنیاد'' اور ''بیخ کنی'' موجود ہیں۔ جب تک لغت میں لفظ کی مفرد شکل نہ دی جائے اس کے تحتی مرکبات کا اندراج عجیب اور بڑی حد تک غیر مفید رہتا ہے کیوں کہ اصل لفظ کے معنی قاری کو بتائے بغیر مرکب کی وضاحت کس کام کی ہے۔ یہ اس وقت اور عجیب ہو جاتا ہے جب مرکب مجازاً یا محاورۃً مستعمل ہو مثلاً بس کے معنی تو زہر ہیں لیکن امیر نے اس کے اندراج کے بغیر ہی بس کی گانٹھ لکھ کر اس کے معنی ''بہت مفسد اور شریر کو کہتے ہیں'' لکھ دیے ہیں۔ انجان قاری بس کے معنی کیا سمجھے گا؟ اس طرح کے کئی مرکبات تیسری جلد میں ہیں جن کے مفرد بنیادی لفظ یا ہیڈ ورڈ (headword) کا اندراج لغت میں نہیں کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مرکبات سے پہلے مفرد لفظ کا اندراج ہے بھی تو مرکبات میں کچھ کمی رہ گئی ہے، مثلاً بابا کے اندراج کے بعد ''بابا آدم کے وقت کا'' کا اندراج ملتا ہے لیکن اس سے پہلے ''بابا آدم'' کا اندراج نہیں ہے حالانکہ اس کی وضاحت چاہیے تھی کہ ''بابا آدم'' سے کیا مراد ہے۔

بعض اندراجات قطعی غیر ضروری ہیں مثلاً بابا فرید، بابا نانک، بغداد، بطلیموس ربطلیموس اور بھوپال وغیرہ۔ لغت میں اعلام کا اندراج اس صورت میں کیا جاتا ہے کہ ان کے کوئی مجازی معنی پیدا ہو گئے ہوں مثلاً حاتم طائی (بمعنی بہت سخی)، چنگیز خان (بمعنی بہت سفاک) یوسف (بمعنی

بہت حسین)، رستم (بمعنی بہت بہادر)۔اسی طرح مقامات کے ناموں کا اندراج بھی مجازی معنی یا کسی خاص مفہوم کے پیدا ہو جانے سے مشروط ہے مثلاً نیشاپور یا تبریز کہ شہروں کے نام کے علاوہ موسیقی کی اصطلاح میں راگوں کے بھی نام ہیں۔اعلام کے اندراج کی تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ لغت جس میں ان کا اندراج ہو وہ قاموسی یعنی انسائیکلو پیڈیائی (encyclopaedic) ہو۔امیر اللغات ظاہر ہے کہ ایسی لغت نہیں ہے نہ ان اعلام کے مجازی معنی ہیں نہ اصطلاحی مفہوم ان سے وابستہ ہیں۔تیسری جلد میں نہ صرف یہ کہ بطلمیوس ربطلیموس اور بغداد وغیرہ کا اندراج ہے بلکہ ان پر حواشی بھی لکھے گئے ہیں حالانکہ لغت میں حواشی کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ہاں اب انگریزی کی بعض لغات میں کچھ وضاحتی شذرے ہوتے ہیں لیکن وہ متن کے درمیان میں خانے (boxes) بنا کر دیے جاتے ہیں اور ان میں صرف لفظوں کے استعمال میں یا مفہوم میں پائے جانے والے اشکال کو دور کیا جاتا ہے۔نیز یہ کہ بھوپال پر لکھے گئے حاشیے میں امیر نے بھوپال کی تاریخ، جغرافیہ، آبادی بلکہ آمدنی تک دے دی ہے بلکہ ''رئیسۂ عالیہ متعالیہ'' کے لیے دعائیں بھی درج کی ہیں۔یہ درست ہے کہ یہ اس دور کے ذوق کے مطابق ہے اور امیر کو ریاست بھوپال میں خوش آمدید بھی کہا گیا تھا بلکہ وہیں رہ جانے پر بھی اصرار کیا گیا تھا لیکن اس طرح جذبات کا اظہار تقریظ یا دیباچے تک ہو تو بہتر رہتا ہے۔لغت کے متن کو ان سے سروکار نہ چاہیے۔

امیر نے کئی کہاوتوں کا پس منظر یا ان کے بارے میں مشہور کہانی بھی حواشی میں دے دی ہے۔یہ بھی غیر ضروری ہے۔انگریزی لغات میں بالعموم کہاوتوں کا اندراج نہیں ہوتا، محاوروں کا ہوتا ہے۔اُردو لغات میں کہاوتیں درج کرنے کا رواج ہے لیکن کہاوتوں سے وابستہ قصے کہانیاں بیان کرنا لغت نویس کا منصب نہیں خاص کر جب کہ ان میں سے اکثر کی صداقت بھی مشکوک ہوتی ہے اور کثر کہاوتوں کی کہانیاں بھی غالباً کہاوت مشہور ہونے کے بعد گھڑ لی گئی ہیں۔

البتہ ایک بہتری اندراجات کے ضمن میں تیسری جلد میں یہ نظر آتی ہے کہ پہلی جلد کے برعکس امیر نے اس میں صفات، تشبیہات، استعارات نہیں دی ہیں۔پہلی جلد میں آسمان، آتش، آنسو اور بالخصوص آنکھ کے لفظ کے ساتھ ان سے متعلق صفات، تشبیہات، استعارات اور ان کی اسناد کا ڈھیر لگا دیا ہے۔بے شک یہ مفید ہے، امیر کی وسعت مطالعہ اور زبان و ادب پر عبور کا ثبوت ہے اور امیر کی اس تڑپ اور خلوص کا بھی مظہر ہے جس کے تحت وہ اُردو زبان کے مختلف مفاہیم، استعمال، استعارات، کنایات، اور تلمیحات کو محفوظ کرنا چاہتے تھے لیکن اوّل تو اس کے لیے علیٰحدہ

کتابیں یا لغات ہوتی ہیں دوسرے یہ کہ اس سے لغت کے اصل مقاصد کو نقصان پہنچتا ہے اور وہ غیر ضروری طور پر طویل ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر لفظ آنکھ کی تشریح کے ضمن میں جلد اوّل میں امیر نے صفاتِ چشمِ معشوق، تشبیہاتِ چشمِ معشوق اور تشبیہاتِ چشمِ عاشق کوئی بارہ چودہ صفحات میں بیان کی ہیں۔ باوجود نہایت قابل قدر، اہم اور مستند ہونے کے یہ لغت سے لگا نہیں کھاتیں۔ تیسری جلد میں البتہ ایسی کوئی چیز نہیں دی ہے۔

ب۔ ترتیبِ اندراجات

امیر اللغات جلد سوم کے اندراجات کے سلسلے میں ہم نے مفرد لفظ اور اس کے ذیلی یا تحتی مرکبات و محاورات کے ضمن میں سطور بالا میں کچھ عرض کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی ضمن میں ایک امر جس کا ذکر ضروری ہے وہ ان اندراجات کی لغت میں ترتیب ہے۔ امیر نے الفاظ کے اندراجات کے لیے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا کہ مرکبات کے اندراج سے پہلے آغاز کے طور پر ایک لفظ کا اندراج مفرد شکل میں کر کے پھر ان مرکبات اور محاورات کو درج کیا جائے جو اس بنیادی مفرد لفظ یعنی ہیڈ ورڈ (headword) کے ذیل میں آتے ہیں۔ بلکہ امیر نے مفرد اور مرکب الفاظ کو بغیر کسی ذیلی یا تحتی ترجیح کے صرف حروف تہجی کی ترتیب کی بنیاد پر درج کیا ہے۔ یہی اصول دوسری جلد میں بھی ہے۔ (حالانکہ پہلی جلد میں اندراجات، چند الفاظ مثلاً آزاد اور آزادانہ کے تحتی مرکبات کو چھوڑ کر، بڑی حد تک درست ترتیب میں تھے لیکن دوسری جلد میں امیر نے درست طریقہ کار کو تبدیل کر دیا) مثلاً دوسری جلد کے کچھ اندراجات کی ترتیب ملاحظہ کیجیے:

ابد، ابدال، ابدالآباد، ابدی، ابر، ابر آنا، ابر اٹھنا، ابرار، ابر امنڈنا، ابراہیم، ابراہیم ادہم، ابر باراں، ابر بہار وغیرہ۔

حالانکہ مفرد شکل ابد اور ابر کا اندراج الگ کر کے ان کے ذیلی مرکبات و محاورات کو ان کے ساتھ ہی درج کرنا چاہیے تھا اور ترتیب تہجی کے لیے صرف مفرد لفظ کو بنیاد بنایا جانا چاہیے تھا۔ گویا ان اندراجات کی ترتیب یوں ہونی چاہیے تھی:

ابد

ابدالآباد

ابدال

ابدی

ابر

ابرآنا

ابراٹھنا

ابرامنڈنا

ابرباراں

ابربہار

ابرار

ابراہیم

ابراہیم ادہم

گویا ابدالآباد کا اندراج ابد کے ذیل میں ہوگا۔ اور لفظ ابر سے شروع ہونے والے تمام مرکبات ابر کے ذیل میں درج ہوں گے۔ ابد اور ابدالآباد کے درمیان ابدال کا اندراج نہیں ہوسکتا نہ ہی ابرار کا لفظ ابر کے مرکبات کے درمیان جگہ پاسکتا ہے۔

اسی طرح تیسری جلد میں بھی اندراجات کی یہ ترتیب موجود ہے۔ مثال کے طور پر کچھ اندراجات ملاحظہ کیجیے:

باد، بادام، بادامچہ، بادامی، بادبان، بادبانی جہاز، بادبہار، بادبہاری، بادخزاں/ بادخزانی، بادشاہ وغیرہ۔

یہ ترتیب یوں ہونی چاہیے:

باد

بادبان

بادبہار

بادبہاری

بادخزاں/خزانی

بادام

بادامچہ

بادامی
بادبانی [جس کا اندراج ہی نہیں ہے]
بادبانی جہاز
بادشاہ

وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ یعنی باد اور بادبانی کو اصل یا بنیادی مفرد لفظ (headword) مان کر ان کے تحتی مرکبات ان کے ساتھ ہی درج ہوں گے۔ لیکن ہم نے تیسری جلد کی تدوین میں امیر کی ترتیب کو نہیں چھیڑا اور اسے برقرار رکھا ہے۔

اسی طرح بہ، با اور بے کے سابقوں سے شروع ہونے والے الفاظ مثلاً بجائے خود، بموجب، باخدا، باہمہ و بے ہمہ، بے ایمان اور بے باک وغیرہ کو امیر اللغات کی تیسری جلد میں حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے درج کیا گیا ہے اور ان کو ذیلی یا تحتی اندراج کی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ، بہ، با اور بے کا بطور مفرد لفظ اندراج ہی نہیں کیا گیا۔ لیکن یہاں بھی امیر کی ترتیب کو ہم نے برقرار رکھا ہے۔

اس ضمن میں دل چسپ بات یہ ہے کہ دور حاضر میں ہندوستان سے شایع ہونے والی ایک معروف اور بسیط لغت ''مہذب اللغات'' (مرتبہ مہذب لکھنوی) میں بھی ذیلی مرکبات کے اندراجات میں بنیادی لفظ اور اس کے تحتی مرکبات کو نظر انداز کر کے صرف الف بائی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو قاری کے لیے سخت الجھن کا باعث بنتا ہے۔ اس ضمن میں اردو لغت بورڈ کی مرتبہ اور مطبوعہ لغت ''اردو لغت (تاریخی اصول پر)'' میں اندراجات کی ترتیب کا جو اصول اپنایا گیا ہے وہ بالکل درست ہے اور جدید دور میں اسی کی تقلید کی جانی چاہیے۔

ایک اور امر جو امیر اللغات میں ترتیب اندراج کے تعلق سے دعوت غور و فکر دیتا ہے وہ دو ایسے الفاظ کے اندراج کا مسئلہ ہے جو بالکل یکساں املا اور اعراب کے حامل ہوں مگر دونوں کی اصل یا لسانی ماخذ (یعنی وہ زبان جس کا وہ لفظ ہے یا وہ مادہ جس سے وہ مشتق ہے) الگ الگ ہوں۔ جدید لغات مثلاً اُردو لغت بورڈ کی اُردو لغت (تاریخی اُصول پر) میں ایسے الفاظ کا اندراج بجا طور پر الگ الگ کیا گیا ہے۔ امیر نے ایسا اہتمام نہیں کیا۔ اس کی ایک مثال لفظ ''بری'' ہے۔ بورڈ کی لغت نے بری (ب مفتوح) کے چھے الگ الگ اندراجات دیے ہیں اور ان پر ایک تا چھے نمبر ڈالے ہیں کیوں کہ یہ سب مختلف لسانی ماخذ رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک عربی کا بری ہے جو آزاد،

چھوٹا ہوا، نجات یافتہ کے معنی میں ہے اور بورڈ کی لغت میں بجا طور پر اسی کے ذیل میں بری الذمہ بھی درج ہے۔ دوسرا بری اُردو کے لفظ بر (بمعنی رشتہ یا شوہر) سے بنا ہے اور اس سے مراد ہے وہ کپڑے وغیرہ جو دولھا کی طرف سے دلھن کے گھر بھیجے جاتے ہیں۔ امیر نے بری کے یہ دونوں معنی ایک ہی اندراج کے تحت درج کیے ہیں اور معنی درج کرنے سے پہلے ع یعنی عربی ہ یعنی ہندی لکھ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امیر کا استحقاق تھا (اور اسے بھی ہم نے تدوین کے دوران میں تبدیل نہیں کیا ہے)۔ حالانکہ یہ اندراج بری (۱) اور بری (۲) کی شکل میں الگ الگ ہونا چاہیے تھا۔

ترتیب تہجی کے ساتھ ایک اور مسئلہ جو اُردو کے لغت نویسوں کو درپیش ہوتا ہے وہ اعراب کی ترتیب ہے۔ یعنی اگر کسی لفظ کا املا حروف کی تعداد اور ترتیب کے لحاظ سے یکساں ہو لیکن اس کے اعراب میں فرق ہو (مثلاً پَل، پِل، پُل) تو اندراج کی ترتیب کیا ہوگی؟ ایسے الفاظ کے اندراج کے وقت بالعموم یہ ترجیح قائم کی جاتی ہے کہ پہلے فتحہ، پھر کسرہ اور پھر ضمہ آتا ہے یعنی پَل، پِل، پُل اسی ترتیب سے لغت میں درج ہوں گے جس ترتیب سے ہم نے یہاں لکھے ہیں۔ امیر اللغات کی تیسری جلد میں اس معاملے میں یکسانی نہیں ہے۔ ہم نے یکسانی کے خیال سے ایسی ترتیب کو درست کر دیا ہے اور حواشی میں اس کی نشان دہی کر دی ہے۔

اندراج کی ترتیب میں ترجیح کے معاملے میں ایک اور مسئلہ معروف، مجہول اور لین کا ہوتا ہے یعنی پہلے مثلاً کھیل (یائے مجہول) آئے گا یا کھیل (یائے معروف)؟ پہلے مَیل آئے گا (یائے لین) یا میل (یائے مجہول) یا مِیل (یائے معروف)؟ اردو لغت بورڈ کی لغت میں پہلے لین، پھر معروف اور پھر مجہول کا اندراج ہوتا ہے۔ لیکن یائے معروف، لین اور مجہول کے سلسلے میں امیر نے کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔ تیسری جلد میں اسے ترتیب میں ایک ہی ''ی'' شمار کیا گیا ہے یعنی ''ی'' اور ''ے'' کو ایک ہی حرف مان کر اس میں ترتیب کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کیا۔ مثال کے طور پر ''بڑے بول کا سر نیچا'' پہلے درج ہے اور ''بڑی بہو بڑا بھاگ'' کا اندراج بعد میں ہے حالانکہ اصولاً یائے معروف پہلے آنی چاہیے اور یائے مجہول بعد میں۔ ہم نے اس ترتیب کو بھی نہیں چھیڑا اور اسے یونہی رہنے دیا ہے۔

اسی طرح ہائیہ یا ہکاری آوازوں کو ظاہر کرنے والے حروف تہجی (مثلاً بھ، پھ، تھ وغیرہ) کو امیر نے قدیم دستور کے مطابق الگ تقطیع میں درج نہیں کیا بلکہ انھیں ب، پ، ت وغیرہ کے ساتھ ہی دیا ہے یعنی بہل اور بھل کا اندراج ایک ساتھ ہے۔ جدید طریقہ یہ ہے کہ ہائیہ حروف

سے شروع ہونے والے الفاظ، مرکب حرف تہجی (یعنی بھ پھ تھ وغیرہ)، مفرد حروف (یعنی ب پ ت وغیرہ) کی تقطیع ختم ہونے بعد درج کیے جاتے ہیں لیکن ہم نے امیر کے طریق کار کو برقرار رکھتے ہوئے یہاں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تیسری جلد کے قلمی نسخے میں کہیں تو کاتب نے ہائیہ آوازوں والے حروف کو ہائے مخلوط یعنی دوچشمی ہا (ھ) سے لکھا ہے اور کہیں کہنی دار ''ہ'' سے۔ گو اب یہ طے ہو چکا ہے کہ ایسے حروف اصل میں مرکب حروف تہجی ہیں اور انھیں ایک حرف مان کر ہائے مخلوط ہی سے لکھنا چاہیے (جملۂ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ ہمارے بعض اسکولوں میں بچوں کو جب ''حروف جوڑیے اور حروف توڑیے'' نامی مشق کرائی جاتی ہے تو کچھ اساتذہ اب بھی ان مرکب حروف کو توڑ کر لکھواتے ہیں یعنی مثلاً لفظ ''بھائی'' میں ''ب'' اور ''ہ'' کو دو الگ الگ حروف ظاہر کیا جاتا ہے جبکہ یہ ایک حرف یعنی ''بھ'' ہے۔ اس افسوس ناک غلطی کی تصحیح بہت ضروری ہے)۔

ہاں البتہ چند ایک مقامات پر اندراجات کی ترتیب خود امیر کی قائم کردہ ترتیب سے بھی الگ تھی اور غالباً سہو کاتب تھی لہٰذا اسے درست کر کے امیر کے اپنے اصولوں کے مطابق باعتبار حروف تہجی الفاظ کو درج کر دیا ہے اور حواشی میں وضاحت کر دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں امیر کی ترجیح یعنی منشائے مصنف کا خیال رکھا گیا ہے اور سہو کتابت کو درست کر دیا گیا ہے۔

ج۔ تلفظ

تیسری جلد میں امیر نے تلفظ کی وضاحت بالعموم اعراب کے ذریعے کی ہے اور کہیں کہیں توضیحی طریقے سے بھی کام لیا ہے، مثلاً کہیں لفظ کے نیچے باریک قلم سے قوسین میں ''بواو معروف'' یا ''بواو مجہول'' لکھا ہے۔ لیکن امیر کے ہاں تلفظ کی وضاحت کا کوئی باقاعدہ اور یکساں نظام نہیں ہے۔ بلکہ اکثر الفاظ کا تلفظ واضح نہیں کیا گیا ہے۔ لہٰذا بعض ایسے الفاظ جن پر امیر نے اعراب نہیں دیے تھے اور ان کے تلفظ کی وضاحت ضروری تھی وہاں ہم نے اعراب لگا دیے ہیں اور اس کام میں فرہنگ آصفیہ، پلیٹس، نور اللغات اور اردو لغت بورڈ کی لغت اور بعض دیگر لغات کو سامنے رکھا ہے۔

د۔ معنی کی وضاحت

معنی کی وضاحت کے لیے امیر نے تشریح تو دی ہے لیکن اس دور کے لغت نویسی کے عام رجحان کے مطابق مترادفات سے زیادہ کام لیا ہے اور تشریح پر اتنی توجہ نہیں جتنی آج کے دور میں ضروری سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جہاں کہیں تشریح دی ہے وہاں بالعموم اچھی طرح وضاحت کی ہے لیکن

جامعیت اور اختصار کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ کئی مقامات پر تشریح اور مترادفات ساتھ ساتھ بھی ملتے ہیں لیکن مترادفات کے سلسلے میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ کئی جگہ مترادفات درج کرنے کے بعد وضاحت کی ہے کہ یہ مترادف لفظ کس زبان کا ہے۔ یعنی اصل اندراج کے بارے میں یہ بتانے کے بعد کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے مترادفات کے لیے بھی کہیں کہیں یہ اہتمام کیا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ''بو'' کے اندراج کے بعد ''ف'' لکھا ہے یعنی بو فارسی زبان کا لفظ ہے، پھر مونث لکھ کر اس کی جنس واضح کی ہے اور اس کے بعد بو کا مترادف شمیم لکھ کر ''ع'' یعنی عربی لکھا ہے، پھر باس لکھ کر ''ہ'' یعنی ہندی لکھا ہے۔ حالانکہ اس کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ لغت نویس اس بات کا مکلّف نہیں ہے کہ مترادفات کی بھی اصل بتائے۔ مترادفات کی اصل کی غیر ضروری تصریح کئی جگہ ملتی ہے۔

معنی کی وضاحت امیر نے اکثر و بیشتر شق وار کی ہے یعنی ہر معنی الگ الگ شق کے تحت اور نمبر ا، نمبر ۲ لکھ کر درج کیے ہیں۔ ہم نے لفظ نمبر نہیں لکھا اور امیر نے ہندسہ قوسین میں لکھا تھا ہم نے اسے بھی اڑا دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ امیر نے لفظ کے معنی کی شق سے پہلے ''نمبر (۱)'' اور ''نمبر (۲)'' وغیرہ لکھا ہے لیکن ہم نے اسے ''ا۔'' اور ''۲۔'' کر دیا ہے کہ اس سے بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔

امیر نے بعض جگہ معنی کی الگ الگ شقیں نہیں بھی بنائیں اور الفاظ کے مختلف معنی ایک ہی شق میں لکھ دیے ہیں مثلاً بھکوا کے دو مختلف معنی دیے ہیں یعنی احمق، بے وقوف اور بے حقیقت، ذلیل۔ لیکن ان کو الگ الگ لکھنے کی بجائے امیر نے ایک ساتھ درج کیا ہے۔ بعض الفاظ کے مرادی معنی بتا دیے ہیں لیکن لغوی معنی رہ گئے ہیں مثلاً بندہ پرور کے ضمن میں لکھا ہے کہ بے تکلفی میں برابر والے کو اس لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔ لیکن لغوی معنی نہیں دیے۔ ہم نے ایسے مقامات پر کسی قسم کی تبدیلی سے گریز کیا ہے کہ یہ ہمارا منصب نہیں تھا اور نہ ہم اس قابل ہیں کہ امیر کو اصلاح دے سکیں۔

ہ۔ اسناد

امیر نے پہلی دو جلدوں کی طرح تیسری جلد میں بھی کم و بیش ہر جگہ اسناد کا اہتمام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں قابل ستائش امر یہ ہے کہ نثر کے مثالیہ جملے بھی کثرت سے دیے ہیں جبکہ اس سے قبل کی اردو لغات میں (بلکہ بعد کی چند لغات مثلاً نور اللغات میں بھی) نثری اسناد بہت کم ہیں۔ اکثر و بیشتر جملے خود امیر کی اختراع ہیں البتہ چند ایک مقامات پر اردو کی بعض معروف نثری کتابوں (مثلاً غالب کے خطوط یا نذیر احمد کے ناولوں) کے فقرے بھی ملتے ہیں۔ ان مثالیہ

جملوں کے اندراج سے قبل امیر نے حسب موقع ''فقرہ'' یا ''فقرے'' کا لفظ لکھا ہے (اکثر ایک معنی کی سند میں دو دو جملے دیے ہیں)۔ ہم نے فقرہ یا فقرے کا لفظ لکھ کر اس کے بعد نشانِ وقفۂ توضیحی یعنی کولن (:) دیا ہے۔ کاتب نے قلمی مسودے میں ایسے تمام مقامات پر نشانِ وقفۂ کامل یعنی ڈیش (۔) لگایا تھا۔

شعری اسناد بھی کثرت سے ہیں۔ ان میں سے اکثر لکھنوی شعرا کی ہیں شاید اس لیے کہ امیر کا تعلق لکھنؤ سے رہا۔ صف اول کے شعرا کے اشعار بطور سند کم ہیں۔ البتہ امیر نے باوجود باکمال شاعر ہونے کے اپنا ایک شعر بھی سند میں نہیں دیا۔ (حالانکہ چاہتے تو اسی وقت حسب ضرورت شعر کہہ کر وہ لفظ باندھ لیتے)۔ داغ دہلوی کے اشعار بطور سند بکثرت ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ داغ اور امیر کے درمیان غلط فہمی کے افسانوں میں کچھ حقیقت نہیں ہے یا کم از کم امیر کا دل صاف تھا۔ اسناد کے اشعار زیادہ تر برق، قلق، اسیر، رند، بحر، ظفر، سالک، رنگین، جان صاحب، مصحفی، ناسخ، انشا، داغ، انیس، وزیر، رشک اور صبا وغیرہ کے ہیں بعض اسناد غیر معروف شعرا کی بھی ہیں۔ بعض جگہ شاعر کا نام نہیں لکھا سند دے کر ''بحر الفت'' اور ''افسانہ عشق'' وغیرہ لکھ دیا ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اشعار کی سندیں جب آتی ہیں تو اکثر ایک ہی بحر میں ہوتی ہیں اور ایک ہی بحر کے کئی اشعار ایک ساتھ دیے ہیں۔ اسے اتفاق کہنا مشکل ہے۔ بعض مصرعے کتابت کی غلطی سے بحر سے خارج ہو گئے تھے حواشی میں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ بعض اشعار باوجود کوشش کے کہیں نہ مل سکے (بلکہ بعض غیر معروف شعرا کے دواوین ہی دست یاب نہیں ہیں) اور ان کے متن میں تصحیح نہ ہو سکی۔ ایسے مواقع پر ''کذا'' لکھ کر نشان دہی کر دی گئی ہے۔

اسناد کے ضمن میں اہم بات جو دیگر لغت نویسوں کے لیے بھی مفید ہے وہ یہ ہے کہ نہ صرف امیر نے ایسے الفاظ کی اسناد تلاش کر کے لکھی ہیں جو بالعموم شاعری میں نہیں آتے بلکہ ان اشعار میں بعض عجیب اور قلیل الاستعمال الفاظ کی اسناد بھی آ گئی ہیں جو کہیں اور نہیں ملتیں (مثلاً ان میں ایسے الفاظ بھی ہیں جو ''ب'' سے شروع نہیں ہوتے لیکن وہ کسی اور لفظ کی سند میں دیے گئے شعر میں آ گئے ہیں)۔

و۔ قواعدی حیثیت

امیر نے الفاظ کی قواعدی حیثیت (اسم فعل صفت وغیرہ) بالعموم واضح نہیں کی ہے۔ الفاظ کی تذکیر و تانیث ضبط کرنے کا البتہ اہتمام ہے اور کہاوتوں کے ساتھ لفظ ''مثل'' یا ''مقولہ'' لکھا ہے۔

ز۔لسانی مآخذ اور اشتقاق

امیر نے بعض الفاظ کی اصل اور ان کے اشتقاق کا کھوج لگانے کی سعی کی ہے۔انھیں خاص طور پر یہ خیال رہتا ہے کہ لغت میں لفظ کا غلط اشتقاق یا غلط مآخذ نہ لکھ دیا جائے (تلفظ کے معاملے میں بھی تحقیق کا انھوں نے خصوصی اہتمام کیا ہے)۔الفاظ کے بارے میں اکثر بتایا ہے کہ کس زبان کا لفظ ہے۔اس سلسلے میں یہ مخففات استعمال کیے ہیں:

ا:اردو ت:ترکی س:سنسکرت ع:عربی ف:فارسی ہ:ہندی

انگریزی لفظ کو وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ انگریزی ہے اور اس کے معنی کیا ہیں یا صحیح تلفظ انگریزی میں کیا ہے۔

ح۔املا

گیان چند کے مطابق قدیم مصنفین کا املا ان کے دور کے لیے تھا، ہمارے دور کا املا الگ ہے لہٰذا قدیم متون کو جدید املا میں چھاپنا چاہیے[۹] بالخصوص جب املا میں یائے مجہول و معروف میں فرق نہ ہو (جیسا کہ تیسری جلد میں عموماً فرق روا نہیں رکھا گیا ہے) اور ہائیہ آواز کو ہائے مخلوط سے ظاہر نہ کیا گیا ہو (تیسری جلد میں دونوں طرح کے املے ملتے ہیں) تو قاری کو خلفشار اور اعراب بالحروف سے بچانے کا طریقہ یہی ہے کہ املا جدید کر دیا جائے۔ چناں چہ ہم نے یہی کیا ہے۔تیسری جلد کے قلمی مسودے میں املا کا انداز کچھ یوں ہے کہ اکثر الفاظ کو ملا کر لکھا ہے، مثلاً: اکدن تمپر (اک دن تم پر)، رہگئی (رہ گئی)، نہوتا (نہ ہوتا) مجکو (مجھ کو)۔ان کو ہم نے ملا کر نہیں لکھا۔اسی طرح بعض الفاظ کا املا درست کر دیا ہے اور جہاں ضرورت ہوئی وہاں ہائے مخلوط کا اضافہ کر دیا ہے۔لیکن امیر چوں کہ زبان دان تھے لہٰذا اکثر الفاظ کا املا ان کی تحقیق اور وسعتِ مطالعے کا ثبوت ہے۔

چند توضیحات

الف: امیر نے شعر لکھنے سے پہلے شعر کی علامت یعنی بیت (ـ) دی ہے۔ ہم نے اسے حذف کر دیا ہے۔

ب: امیر نے شاعر کا نام شعر سے پہلے لکھا ہے ہم نے سہولت کے خیال سے بعد میں دیا ہے۔

ج: امیر کے حواشی کے آگے قوسین میں امیر اور راقم کے حواشی کے آگے قوسین میں مرتب لکھا گیا ہے۔

د: امیر نے ''عورتوں کی زبان'' کو ظاہر کرنے کے لیے ''عو'' کی علامت استعمال کی ہے۔

ہ: بعض مقامات پر مثلاً لفظ ''مجازاً'' کے بعد ہم نے نشان وقفہ توضیحی لگایا ہے جو امیر کے ہاں نہیں ہے۔

و: بعض تشریحات میں پرانے رواج کے مطابق تضحیک آمیز الفاظ مثلاً ''نیچ قوم'' وغیرہ لکھے ہیں جن کو حذف کرنا ممکن نہیں تھا۔

ز: بعض تشریحات کے ساتھ طبی خواص مثلاً خشک، تر، سرد، گرم وغیرہ لکھا ہے۔ یہ عموماً جڑی بوٹیوں کے ناموں کی تشریح میں آیا ہے۔

امیر اللغات جلد سوم کی اہمیت

اولاً اس کا امیر مینائی جیسے شخص سے منسوب ہونا ہی اس کی اہمیت پر دال ہے۔ لیکن قدر و قیمت کے لحاظ سے اس کا درجہ بہت بلند ہے کیوں کہ اس میں بعض ایسے الفاظ یا بعض الفاظ کے معنی کی ایسی شقیں درج ہیں جو کسی اور لغت میں نہیں ہیں۔ اسی طرح بعض ایسی نادر اسناد آ گئی ہیں جو کہیں کسی لغت میں حتیٰ کہ ڈکشنری بورڈ کی لغت میں بھی نہیں ہیں۔ پھر الفاظ کی اصل اور صحیح تلفظ کے لیے تحقیق اور چھان پھٹک کے معاملے میں امیر کی محنت کی داد نہ دینا ظلم ہوگا۔ اردو کی ایک جامع لغت کی تدوین کے لیے ان کی ذہنی و جسمانی مشقت اور مالی قربانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس عظیم منصوبے کے لیے انھوں نے اپنا عیش و آرام تج دیا، مالی طور پر شدید پریشانی کا شکار اور ایک بڑی رقم کے مقروض ہو گئے، ایک بڑا کتب خانہ صرف الفاظ اور اسناد کے اخذ کے لیے جمع کیا لیکن افسوس کہ بعض وجوہ سے یہ لغت مکمل نہ ہو سکی۔ لیکن جتنے حصے بھی اس کے دست یاب ہیں وہ ایک ذہین، وسیع المطالعہ، محنتی اور مخلص شخص کی کاوشوں کی روشن مثالیں ہیں اور ان حصوں سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔

امیر مینائی کی لغت نویسی

ڈاکٹر سیّد جاوید صاحب کا خیال ہے کہ امیر مینائی نے اردو کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ''سائنٹفک'' انداز کی لغت نویسی کی بنیاد رکھی جو تنہا انھی کی کاوش تھی اور یہ کسی قسم کی نقالی بھی نہ تھی''۵۰۔ ان کی یہ رائے اس لحاظ سے درست ہے کہ اس زمانے میں جیسی لغت نویسی رائج تھی اس کے مقابلے میں امیر نے ایک باقاعدہ نظام اور اصولوں کے تحت لغت کی تدوین کا آغاز کیا۔ ہم موجودہ زمانے کے لحاظ سے امیر کی لغت نویسی کو نہیں جانچتے کیوں کہ یہ زیادتی ہوگی لیکن بعض

مقامات پر لغت نویسی کے اس باقاعدہ نظام اور اصولوں کی خلاف ورزی تعجب خیز ضرور ہے۔ مثلاً امیر نے ترتیبِ حروف تہجی کے ضمن میں پہلی جلد میں مرکبات کو صحیح مقام پر یعنی بنیادی مفرد لفظ کے تحت ذیلی اندراج کے طور پر لکھا لیکن دوسری اور تیسری جلد میں اس صحیح ترتیب کو بقول خود ان کے بعض دوستوں کے مشورے پر بدل دیا۔ حالانکہ اس طرح کے منصوبوں میں اصول درمیان میں نہیں بدلے جاتے۔ اور پھر ان کے سامنے فرہنگِ آصفیہ کی مثال موجود تھی جس میں تحتی مرکبات کو اصل یا مفرد لفظ کے ذیل میں رکھا گیا ہے۔ پھر املا اور زبان و بیان کے مسائل سے وہ اتنے باخبر تھے کہ اس دور کے لغت نویسوں میں شاید ہی کوئی اس معاملے میں اتنا تردد کرتا ہو لیکن ہائیہ حروف کی لکھائی، یائے معروف و مجہول کی ترتیب میں ترجیح کا قیام اور یکساں املا کے حامل الفاظ کی ترتیب وغیرہ کے معاملے ان کے ہاں کہیں کہیں جھول نظر آتا ہے۔ یہ باتیں اور اس کے علاوہ دیگر چند امور (جن کی تفصیل صفحاتِ گزشتہ میں بیان ہوئی ہے) ان کی لغت نویسی کو ''سائنٹفک'' کے درجے سے گرا دیتی ہیں۔

البتہ اس ضمن میں تحسین فراقی صاحب کے ان الفاظ سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ ''کوئی بھی لغت اسقام اور کوتاہیوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ''امیر اللغات'' بھی اس سے مستثنیٰ نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ ''امیر اللغات'' کی تدوین میں امیر نے تدوینِ لغت کے جن جدید خطوط کی پیروی کی، اشعار کے دوش بدوش کثرت سے نثری اسناد و نظائر درج کیے، تدوین لغت کے لیے ایک دفتر تشکیل دیا اور نمونے کے لغات کو مشتہر کر کے اہل نظر سے آرا طلبی کی، یہ سب معاملات لغت نویسی سے ان کی گہری واقفیت کا پتا دیتے ہیں''۔[۵۱]

حوالے اور حواشی

۱۔ امیر مینائی کی تاریخ پیدائش کے ضمن میں سالِ عیسوی کے تعین میں اختلاف ہے اور ان کا سالِ پیدائش ۱۸۲۶ء اور ۱۸۲۹ء بھی بتایا جاتا ہے، کہیں ۱۸۲۸ء بھی ملتا ہے۔ گو ہجری سال سے متعلق اتفاق پایا جاتا ہے اور یہ طے ہے کہ امیر ۱۶ر شعبان ۱۲۴۴ ہجری کو پیدا ہوئے، مثلاً احسن اللہ خاں ثاقب نے ''مکاتیب امیر مینائی'' میں (ص ۱۲) اور عبدالحکیم حکمت نے ''دبدبۂ امیری'' میں (ص ۱۰) یہی تاریخ لکھی ہے۔ حامد حسن قادری نے ''داستان تاریخ اردو'' میں یہی ہجری سال لکھا ہے (ص ۳۹۸)۔ ڈاکٹر کریم الدین احمد نے بعض محققین مثلاً ابواللیث صدیقی اور حامد حسن قادری پر گرفت کی ہے اور بتایا ہے کہ تقویم کا خیال نہ کرنے کی وجہ سے ان محققین نے عیسوی سال غلط لکھا ہے (امیر مینائی اور ان کے

تلامذہ، ص ۱۴، نیز ص ۱۴ کا حاشیہ)۔ لیکن خود کریم الدین صاحب نے ۱۲۴۴ھ کی تطبیق ۱۸۲۶ء سے کی ہے حالانکہ مختلف تقاویم سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شعبان ۱۲۴۴ ہجری کی مطابقت عیسوی سال میں فروری ۱۸۲۹ء سے ہے۔ لہٰذا امیر کا درست سالِ پیدائش ۱۸۲۹ء ہی ہے۔

۲۔ مضمون: ''نوادر امیر مینائی''، مشمولہ ماہ نامہ ''فاران''، کراچی، مارچ ۱۹۵۱ء، ص ۴۱۔

۳۔ حامد حسن قادری: ''داستان تاریخ اردو''، طبع چہارم، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ص ۳۹۹۔

۴۔ ڈاکٹر کریم الدین احمد: ''امیر مینائی اور ان کے تلامذہ''، لاہور، آئینہ، ادب، ۱۹۸۲ء، ص ۴۳۸۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ احسن اللہ خاں ثاقب: ''مکاتیب امیر مینائی''، طبع دوم، مطبعۂ ادبیہ، ۱۹۲۴ء، ص ۲۸۔

۷۔ ''مطالعۂ امیر''، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۵ء، حاشیہ، ص ۴۱۰۔

۸۔ ابو محمد سحر کے مطابق ''گلشن فیض'' جلال لکھنوی کا لغت ہے، ''مطالعۂ امیر''، ص ۴۱۰۔

۹۔ ''مکاتیب امیر مینائی''، ص ۱۶۹۔

۱۰۔ ''مطالعۂ امیر''، ص ۴۱۲۔

۱۱۔ ''امیر مینائی''، از ممتاز علی آہ، ص ۱۵۰، بہ حوالہ سحر، ابو محمد، ''مطالعۂ امیر''، ص ۴۱۲۔

۱۲۔ ''مطالعۂ امیر''، ص ۴۱۱۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۱۲ و بعدہٗ۔

۱۴۔ محولہ بالا، ص ۴۱۳۔

۱۵۔ محولہ بالا، ص ۴۱۳۔

۱۶۔ محولہ بالا، ص ۴۱۰۔

۱۷۔ ''داستانِ تاریخِ اُردو''، ص ۴۰۲۔

۱۸۔ دیباچہ، ''امیر اللغات''، ج ۱، ص ۲۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۔ نیز ابو محمد سحر، ''مطالعۂ امیر''، ص ۴۱۶؛ عباسی، عرفان، ''دبستانِ امیر مینائی''، ص ۱۲۔

۲۰۔ ''مطالعۂ امیر''، ص ۴۱۶۔

۲۱۔ ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال: ''مکتوبات امیر مینائی کا تحقیقی جائزہ''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۲۰۰۲ء۔ ص ۱۴۸۔

۲۲۔ مثلاً امیر نے حکیم عابد علی کوثر کے نام اپنے خط مؤرخہ ۱۰ر فروری ۱۸۹۳ء میں لکھا ہے: ''دوسرا حصہ

چھپ رہا ہے، مارچ میں ان شاء اللہ شایع ہونے کی امید ہے'' (مکاتیب امیر مینائی، مرتبہ احسن اللہ ثاقب، ص ۱۳۴)۔ زاہد حسین زاہد کے نام خط مؤرخہ ۱۹ مئی ۱۸۹۳ء لکھتے ہیں: ''امیر اللغات'' کا دوسرا حصہ چھپ گیا، کچھ جلدیں اس کی مطبع سے بھی آ گئیں۔ اب حرف 'ب' میں حصۂ ثالث کی ترتیب ہو رہی ہے'' (ایضاً، ص ۱۸۴)

۲۳۔ امیر اللغات پر یہ الزام انھوں نے فرہنگ آصفیہ کے دیباچے میں لگایا ہے اور لکھا ہے کہ ''اکمل الاخبار'' میں ڈیڑھ برس تک اس پر بحث و مباحثہ ہوتا رہا (جلد اول، ص ا)۔ ابو محمد سحر نے لکھا ہے کہ بہ قول ریاض خیر آبادی کے ''اکمل الاخبار'' میں امیر اللغات کے خلاف مضامین سید جالب دہلوی لکھا کرتے تھے۔ (مطالعۂ امیر، ۴۴۳)

۲۴۔ ''داستان تاریخ اردو''، ص ۹۰۴۔۹۰۶

۲۵۔ ایضاً، ص ۹۰۴۔

۲۶۔ ''لغت نویسی کے مسائل''، مرتبہ گوپی چند نارنگ، دہلی، مکتبۂ جامعہ، ۱۹۸۵ء، ص ۳۶۔

۲۷۔ ''زبان شناسی''، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۵ء، ص ۵۷۔

۲۸۔ تفصیلات کے لیے: ''مطالعۂ امیر''، ص ۴۴۱ تا ۴۴۷

۲۹۔ ملاحظہ ہو ''دیوان امیر معروف بہ اسم تاریخی مرآۃ الغیب'' کے آخری صفحات کے بعد اندرون جلد پر مطبوعہ امیر مینائی کی تصانیف کی فہرست۔

۳۰۔ ''حیات امیر مینائی: کچھ نئے مآخذ''، مشمولہ رام پور رضا لائبریری جرنل، شمارہ ۳، ص ۲۲۳

۳۱۔ ''امیر مینائی اور ان کے تلامذہ''، ص ۴۴۹۔

۳۲۔ ''مکتوباتِ امیر مینائی کا تحقیقی جائزہ''، ص ۱۶۵۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۶۶۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۶۳۔

۳۵۔ مثلاً محمد ممتاز علی آہ مئی ۱۸۹۴ء میں اپنے خط بہ نام مولوی محمد حسین میں لکھتے ہیں:

''تیسرا حصہ بعض موانع سے اب تک چھپنے کے قابل نہیں ہوا، اس میں صرف ب کے لغات ہوں گے''۔ (سید جاوید اقبال، معتمدین دفتر امیر اللغات کے مکتوبات، ''تحقیق''، شمارہ ۵، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ص ۳۴۹)۔ جلیل مانک پوری، مولوی محمد حسن کو اپنے ۸ مارچ ۱۸۹۶ء کے خط میں لکھتے ہیں: ''تیسرے حصے کا حال ظاہر ہے۔ مدت سے تیار ہے اور روپیہ نہ [ہونے کی وجہ] سے طبع

نہیں ہوسکتا'' (ایضاً، ص ۳۵۹)۔

۳۶۔ خط مملوکہ اسرائیل احمد مینائی (مقیم کراچی) نیز مطبوعہ در ضمیمہ جات، ''امیر اللغات''، جلد سوم، ص ۳۲۱ و بعدہٗ۔

۳۷۔ ملاحظہ ہو: پیش گفتار، ''امیر اللغات''، جلد سوم، ص ۶۔

۳۸۔ ملاحظہ ہو: ''کلیات نثر حالی''، جلد دوم، مرتبہ شیخ اسمٰعیل پانی پتی، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۸ء، ص ۲۷۸ تا ۲۸۲۔

۳۹۔ ''امیر مینائی اور ان کے تلامذہ''، ص ۴۵۰۔ یہاں ڈاکٹر کریم الدین احمد نے حواشی میں اس اشتہار کی عبارت بھی شامل کی ہے۔

۴۰۔ ''مکتوباتِ امیر مینائی کا تحقیقی جائزہ''، ص ۱۶۲ تا ۱۶۵

۴۱۔ ''مکاتیب امیر مینائی''، ص ۳۱۔

۴۲۔ پیش گفتار، ''امیر اللغات''، جلد سوم، ص ۸۔

۴۳۔ ''مکاتیب امیر مینائی''، ص ۲۰۱۔

۴۴۔ ''مکتوبات امیر مینائی کا تحقیقی جائزہ''، ص ۱۵۷۔

۴۵۔ اس ضمن میں امیر مینائی کے اسفار، کمیٹی ارکان کے ناموں نیز لغت میں الفاظ و اسناد کے شمول و عدم شمول کے لیے ملاحظہ ہو: ''مکتوبات امیر مینائی کا تحقیقی جائزہ''، باب چہارم۔

۴۶۔ ''غیرت بہارستان''، مصنفہ امیر مینائی، مرتبہ خالد مینائی، ص ۱۸۵۔

۴۷۔ خط مملوکہ اسرائیل مینائی و مشمولہ ضمیمہ جات، ''امیر اللغات''، جلد سوم، ص ۳۲۱ و بعدہٗ۔

۴۸۔ ''مکاتیب امیر مینائی''، ص ۱۷۷۔

۴۹۔ ''تحقیق کا فن''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۴۳۶۔

۵۰۔ مضمون: ''معتمدین دفتر امیر اللغات کے مکتوبات''، ص ۳۸۲۔

۵۱۔ پیش گفتار، ''امیر اللغات''، جلد سوم، ص ۸۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ ثاقب، احسن اللہ، ''مکاتیب امیر مینائی''، طبع دوم، مطبعۂ ادبیہ، لکھنؤ، ۱۹۲۴ء۔

۲۔ جاوید اقبال، سید، ڈاکٹر: ''مکتوبات امیر مینائی کا تحقیقی جائزہ''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، ۲۰۰۲ء۔

۳۔ حالی، الطاف حسین، ''کلیات نثر حالی''، جلد دوم، مرتبہ شیخ اسمٰعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء۔

۴۔ حکمت، عبدالحکیم، ''دبدبۂ امیری''، پٹنہ، برقی پریس، ۱۹۳۷ء۔
۵۔ سحر، ابومحمد، ڈاکٹر: ''مطالعۂ امیر''، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۵ء۔
۶۔ عباسی، عرفان: ''دبستان امیر مینائی''، لکھنؤ، شایع کردہ مصنف، ۱۹۸۵ء۔
۷۔ قادری، حامد حسن: ''داستان تاریخ اردو''، طبع چہارم، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۸ء۔
۸۔ قاضی، عبدالودود: ''زبان شناسی''، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۵ء۔
۹۔ کریم الدین، احمد، ڈاکٹر: ''امیر مینائی اور ان کے تلامذہ''، آئینۂ ادب، لاہور، ۱۹۸۲ء۔
۱۰۔ گیان چند، ڈاکٹر: ''تحقیق کا فن''، اشاعت اوّل، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء۔
۱۱۔ مینائی، اسرائیل: فہرست، مشمولہ ''دیوان امیر معروف بہ اسم تاریخی مرآۃ الغیب''، طبع دوم، کراچی، ۲۰۰۵ء۔
۱۲۔ مینائی، امیر احمد: دیباچہ ''امیر اللغات''، جلد اول و دوم (یک جا)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء۔
۱۳۔ مینائی، امیر احمد: ''امیر اللغات''، جلد سوم، مرتبہ ڈاکٹر رؤف پاریکھ، لاہور، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء۔
۱۴۔ مینائی، امیر احمد: ''غیرتِ بہارستان''، مرتبہ خالد مینائی، لاہور، ادارۂ فروغ اردو، سن ندارد۔
۱۵۔ نارنگ گوپی، چند: مرتب: ''لغت نویسی کے مسائل''، دہلی، مکتبۂ جامعہ، ۱۹۸۵ء۔

رسائل:

۱۔ شعبہ جاتی مجلّہ ''تحقیق''، جام شورو، شعبۂ اُردو سندھ یونیورسٹی، شمارہ ۵، ۱۹۹۱ء۔
۲۔ ''رضا لائبریری جنرل''، رام پور، شمارہ ۳۔
۳۔ ماہ نامہ ''فاران''، کراچی، مارچ ۱۹۵۱ء۔